

تفسير احمد

سُورَةُ التَّوْبَةِ

Ketabton.com

جزء - 30

سوره «التين» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانی »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة التین

جزء (30)

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کی آٹھ (۸) آیتیں ہیں

وجه تسمیہ:

اس سورت کا نام "التین" رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے شروع میں: "وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ" کی قسم کھائی گئی ہے۔

نیز مفسرین نے اس سورت کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے چار اہم چیزوں کی قسم کھائی ہے، "وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ" وَطُورِ سَيْنِينَ" (انجیر اور زیتون کی قسم یا شام اور بیت المقدس کی زمین کی قسم) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اس سورت کا نام "التین" ہے، اور یہ اس سورت کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

سورت کے شروع میں "تین: انجیر" اور "زیتون" کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ انجیر اور زیتون میں بہت سی برکات پوشیدہ ہیں۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ سورة التین میں اس قسم کی قسمیں انسان کی خوشنودی کے چار مراحل کی طرف اشار کرتی ہیں، اور سورہ آل عمران آیت ۳۳ پر ناظر ہے: (إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳) ترجمہ: "بیشک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے گھرانے کو جہانوں پر چن لیا"

"تین" یہ اشارہ ہے جنت میں آدم علیہ السلام کے دور اور مقام کی، (کہ جنت ان مذکورہ اشیاء سے سچی ہوئی تھی)

"طُورِ سَيْنِينَ" موسیٰ علیہ السلام کے مقام کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل سورہ آل عمران میں ہے۔

"الْبَلَدِ الْأَمِينِ" یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام کی طرف اشارہ ہے، جو صرف دین اسلام کے سایہ میں قابل رسائی ہے (سورہ ابراہیم) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان مراحل سے گزرتا ہے تو احسن تقویم تک پہنچ جاتا ہے۔

"تین" اور "زیتون" کے بارے میں مفسرین کی روایات

متعدد مفسرین نے اپنی تفسیروں میں "تین" اور "زیتون" کے بارے میں بعض

روایات نقل کی ہیں، ان کے ماخذ اگرچہ ثقہ نہیں ہیں مگر صرف معلومات کی غرض سے درج کیے جاتے ہیں:

- 1- "تین" اور "زیتون" سے مراد وہی دو مشہور پہل ہیں۔
- 2- "تین" وہ مسجد ہے جسے حضرت نوح علیہ السلام نے جودی پہاڑ پر تعمیر کی تھی، اور "زیتون" شہر قدس کی مسجد ہے۔
- 3- "تین" اور "زیتون" سے مراد وہ زمینیں ہیں جہاں انجیر اور زیتون کے درخت اُگتے ہیں۔
- 4- "تین" اور "زیتون" شام کے دو پہاڑ کے نام ہیں۔
- 5- "تین" اور "زیتون" دو شہروں کے نام ہیں۔
- 6- "تین" اور "زیتون" شام کی دو مساجد کے نام ہیں۔
- 7- "تین" مسجد الحرام ہے اور "زیتون" مسجد اقصیٰ ہیں۔
- 8- "تین" دمشق کا شہر ہے اور "زیتون" قدس کا شہر ہے۔
- 9- "تین" دمشق کی مسجد ہے اور "زیتون" شہر قدس کی مسجد ہے۔
- 10- "تین" وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق بنایا گیا تھا، اور "زیتون" شہر قدس کا ایک پہاڑ ہے۔
- 11- "تین" اصحاب کہف کی مسجد ہے (کہف: ۲۱) اور "زیتون" شہر قدس کی مسجد ہے۔
- 12- "تین" طور سینا پہاڑ ہے اور "زیتون" طور زینا پہاڑ ہے۔
- 13- "تین" سے آدم علیہ السلام کا زمانہ مراد ہے، اور "زیتون" سے مراد نوح علیہ السلام کا دور ہے۔
- 14- "تین" اور "زیتون" فلسطین کی سرزمین ہے۔
- 15- بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ "زیتون" سے مراد وہی بیت المقدس کی زیتون ہے۔

کوہ زینا یا کوہ زیتون

کوہ زیتون کا نام زیتون کے اس درخت سے لیا گیا ہے جو اس پہاڑ میں بکثرت پایا جاتا تھا، عرب کوہ زیتون کو کوہ "طور" یا کوہ "طورزینا" کے نام سے بھی جانتے ہیں، اس لیے کہ طور کا گاؤں اس پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، یہ پہاڑ بیت المقدس شہر کے مشرق میں واقع ہے، ایک ایسا پہاڑ ہے جس سے بیت المقدس کے پورے شہر کو دیکھا جاسکتا ہے، اس پہاڑ کی بلندی سطح سمندر سے تقریباً "۸۲" میٹر ہے، کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم نے یہودیوں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے کوہ زیتون پر پناہ لی۔

اور متی کی انجیل میں بیت المقدس سے مخاطب ہو کر کہا: اے یروشلم، اے انبیاء کے قاتل! تو ایسا شہر ہے جو خدا کے پیغمبروں پر پتھر پھینکتا ہے،

کئی بار میں نے چاہا کہ تمہارے فرزندوں کو اس طرح جمع کروں جیسے مرغی اپنے چوزوں کو اپنے پروں کے نیچے جمع کرتی ہے، لیکن تم نہیں چاہتے تھے، پس تو اب ایک ویرانہ کی صورت میں باقی رہے گا۔

سورة التین کی آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد

سورة التین نے سورة البروج کے بعد شرف نزول پایا۔ سورة التین مکی ہے اس کا ایک (۱) رکوع، آٹھ (۸) آیتیں، بتیس (۳۲) الفاظ، ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) حروف اور تینتیس (۳۳) نقطے ہیں۔ (قرآن کریم کی سورتوں کے حروف کی تعداد میں علماء کی آراء مختلف ہیں اس بحث کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے سورہ "طور" تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)

سورة التین اور سورہ انشراح کے درمیان ربط و مناسبت

سورہ شرح میں تخلیق اور مزاج کے لحاظ سے سب سے کامل اور اعلیٰ ترین انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، اور سورة التین میں انسان کی ترکیب اور اس کی ظاہری ساخت اور کامیابی کے رُو سے نچلے درجے تک گرنے اور نورحق کی روشنی تک پہنچنے دونوں حالتوں کی خبر دیتا ہے۔

سورة التین کا سبب نزول

ابن جریر نے عوفی کے ذریعہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بڑھاپے کی وجہ سے عقل اور سوچ کھو بیٹھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں پوچھا گیا: چنانچہ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی اور انہیں معاف کیا اور فرمایا: کہ ان کو ان نیک اعمال کا اجر ملے گا جو انہوں نے اسلام کی راہ میں اپنی عقل سے محروم ہونے سے پہلے کیے تھے۔ (تفسیر و بیان کلمات قرآن کریم تالیف: شیخ حسنین محمد نطوف، و اسباب نزول تالیف علامہ جلال الدین سیوطی، سورہ تین)

سورہ تین کے نزول کا وقت

قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورہ مدنی ہے، اس بارے میں ابن عباسؓ کے دو قول ہیں: (۱) یہ سورہ مکی ہے، (۲) یہ سورہ مدنی ہے۔ البتہ جمہور علماء اسے مکی سمجھتے ہیں، اور اس کے مکی ہونے کی واضح علامت یہ ہے کہ اس میں مکہ کے لیے "وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ" (یہ سلامتی والا شہر ہے) کا جملہ استعمال ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اگر یہ سورت مدینہ میں نازل ہوتی تو مکہ کے لیے "یہ شہر" کی عبارت استعمال نہیں ہوتی، اس کے علاوہ سورہ "تین" کے مشتملات کی

طرف گہری نظر سے توجہ کی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورت مکہ کے ابتدائی ایام میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے، کیونکہ اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس کے نزول کے وقت کفر اور اسلام کے درمیان کوئی تصادم شروع ہوا ہو، اور اسی لہجے میں ابتدائی مکی دور کی سورتیں دیکھی جاتی ہیں، جن میں لوگوں کو بہت مختصر اور تبلیغ انداز میں سمجھایا جاتا ہے کہ آخرت کا عذاب ضروری اور مکمل درست ہے۔

سورہ تین میں زیر بحث موضوعات

سورہ تین میں دو اہم مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ کا انسان پر مہربانی کرنا

دوم: آخرت میں حساب اور سزا پر ایمان

اس سورت کا آغاز ان مقدس اور محترم مقامات کی قسم سے ہوا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے لیے نزول وحی کے مقامات مقرر کیے تھے، ان مقامات میں " بیت المقدس " ، " کوہ طور " اور " مکہ مکرمہ " شامل ہیں۔

اور اس نے قسم کھائی ہے کہ انسان کو سب سے خوبصورت شکل میں پیدا کیا گیا ہے، اگر وہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اس کا مقام دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں پر ہوگا۔

اسی طرح سورہ تین میں حشر و نشر کے انکار کی وجہ سے ہونے والے کافر کی ملامت کی گئی ہے، کیونکہ ان تمام واضح اور قطعی دلائل کے بعد جو رب العالمین کی قدرت کے بارے میں ہیں کہ سب سے بہترین شکل و صورت میں انسان کی تخلیق کی گئی ہے، پھر وہ حشر و نشر کا انکار کرتا ہے: " لَقَدْ

خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "

اور آخر میں: اس نے مؤمنوں کو انعام اور کافروں کو سزا دے کر خدائی انصاف کا اظہار کیا ہے: " فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّكْرِ، ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝۸ " یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جزاء اور قیامت ایسا امر ہے جو مسلم اور یقینی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سورة التين

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ ۝۱ وَطُورِ سَيْنِينَ ۝۲ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝۵ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّكْرِ ۝۷ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝۸

سورت کا ترجمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ ۝۱	قسم ہے انجیر کی! اور زیتون کی!
وَطُورِ سَيْنِينَ ۝۲	اور طور سینین کی!
وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝۳	اور قسم ہے اس امن والے شہر کی (مکہ معظمہ)
لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝۴	یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے
ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝۵	پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے نیچا کر دیا
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝۶	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے
فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّكْرِ ۝۷	پس (اے انسان!) اس کے بعد کونسی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟
أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝۸	کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے

سورت کی تفسیر

محترم قارئین:

اس سورت کی مبارک آیات میں بنی آدم کی متوازن، اچھی اور خوبصورت ساخت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ ۝۱	قسم ہے انجیر کی! اور زیتون کی!
--------------------------------	--------------------------------

"تین" لغت میں بہ معنی "انجیر" اور "زیتون" وہی مشہور زیتون ہے جس سے لوگ تیل حاصل کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ انجیر ہے جسے تم کھاتے ہو اور وہ زیتون ہے جس سے تم تیل نچوڑتے ہو (قرطبی: ۱۱۰/۱۹)

عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انجیر اور زیتون کے اگنے، بڑھوتری اور نشوونما کی جگہ کی قسم کھائی ہے اور انجیر زیادہ تر دمشق میں اور زیتون بیت المقدس میں پائی جاتی ہے (البحر: ۴۸۹/۸)

اور واضح بھی یہی ہے، کیونکہ کوہ "طور" اور "البلد الامین" کا اس پر عطف ہونا اس قول کے ثابت ہونے کی دلیل ہے، پس قسم ان مقدس مقامات کی کھائی گئی ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر وحی کا نزول فرما کر ان کو باعزت اور مبارک بنایا۔

یہاں قسم کھانے کا مقصد یہ دو پہل ہیں یا مقصد کچھ اور ہے؟

مفسرین نے اس بارے میں مختلف تاویلات اور تجزیے پیش کیے ہیں، متعدد مفسرین کا خیال ہے کہ اس سورت میں ان دونوں مشہور و معروف پہلوں کے ذکر سے مراد وہ مفید غذا ہے جو مختلف قسم کی شفاء بخش خصوصیات رکھتی ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سورہ میں اُن دو پہلوں سے "تین اور زیتون" مراد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اس سے مراد: شہر "دمشق" اور بیت المقدس" میں واقع دو مشہور و معروف پہاڑ ہیں۔ یہ دونوں مقامات خدا کے بہت سے انبیاء اور بڑے پیغمبروں کا محل قیام رہے ہیں، ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی جگہ ہے، اور دوسری حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جگہ ہے، تیسری اور چوتھی آیات کی قسموں کا سیاق و سباق جو مقدس سرزمینوں کا ذکر کرتے ہیں سمجھ سکتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ: "التین" انجیر، اس سورت میں اس کا ذکر آدم علیہ السلام کے زمانے کی طرف اشارہ ہے جب وہ اور ان کی اہلیہ بی بی حوا جنت میں اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپنے کے لیے درخت کے پتوں اور ممکنہ طور پر انجیر کا استعمال کرتے تھے، جیسا کہ اس سورت میں مذکور ہے: (سورہ اعراف آیت: ۲۲)

لفظ "الزیتون"۔۔۔ زیتون سے مراد نوح علیہ السلام کا زمانہ ہے، جنہیں دوسرا آدم کہا جاتا ہے، گویا طوفان کے اختتام پر نوح علیہ السلام نے ایک کبوتر کو چھوڑا پانی میں اترنے کے بعد خشکی کی تلاش کے لیے، کبوتر زیتون کی شاخ لے کر واپس آیا، کبوتر کے واپس آنے سے اور اس کے زیتون کی شاخ

لانے سے حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ طوفان ختم ہو گیا ہے، اسی لیے اب زیتون کی شاخ بہت سے عربوں میں امن و سلامتی کی علامت کے طور پر جانی جاتی ہے۔

"طور زیتا" کی پہاڑی، بیت المقدس میں ہے (رجوع کریں: جزء عمّ شیخ محمد عبده)

مفسر ابو حیان اپنی تفسیر "البحر المحيط" میں لکھتے ہیں: "بظاہر اللہ کی مراد انجیر اور زیتون کی قسم کھانا ہے"، جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم کھائی ہے، کیونکہ انجیر ایک ایسا پھل ہے کہ جولنت کم کرنے والی خرابیوں اور نجاستوں سے پاک ہے، اسی لیے یہ چھلکے گودے، اور بیجوں سمیت کھایا جاتا ہے، اسی طرح انجیر بھی، دوا بھی ہے اور غذا بھی۔

انجیر نرم اور آسانی سے ہضم ہونے والی غذا ہے جو معدے میں زیادہ دیر نہیں رہتی، ایک نرم طبع دوا ہے، بلغم کو ختم کرتی ہے، گردے اور مٹانے کو صاف کرتی ہے، جسم کو فرہ کرتی ہے، مسام کھولتی ہے اور قابل تعریف پھلوں میں سے ایک ہے۔

بہت سے ڈاکٹروں کا یہ بھی ماننا ہے کہ انجیر جسم کے لیے انتہائی مفید اور غذائیت بخش پھل ہے۔

اسی طرح زیتون بھی ایک پھل ہے، اس سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے، اور اس سے بہت سی دوائیوں کے امتزاج میں استفادہ کرسکتے ہیں۔

اور طور سینین کی !

وَطُورِ سَيْنِينَ ۲۰

خازن نے کہا ہے کہ: اسے "سینین" اور "سینا" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت اور پھل دار درخت ہیں، اور ہر وہ پہاڑ جس میں پھل دار درخت ہوں، اسے "سینین اور سینا" کہتے ہیں (تفسیر خازن: ۲۶۶/۴)

یاد رہے کہ صحرائے سینا میں کوہ "طور سینین" واقع ہے، جس کی چوٹی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی تھی، اس پہاڑ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کائنات چمکنے لگا، (سورہ مریم آیت: ۵۲ کی طرف رجوع کریں)

"طور سینین":

وادی سینا ہے جو آج مصر اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، کوہ طور ان پہاڑوں میں سے ہے جو شبہ جزیرہ سینا کے علاقے میں واقع ہے، اس پہاڑ کو دین ابراہیمی بالخصوص یہودیت میں ایک خاص مقام حاصل ہے، یہودیوں کی روایات کی بڑی تعداد اس پہاڑی سے متعلق ہے یہی ان کی روایات کا سرچشمہ ہے۔

کوہ طور سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے تین ماہ

بعد وہاں گئے تھے، وہاں پہنچ کر اس کے قریب خیمہ زن ہو گئے تھے۔
 دین ابراہیمی کی بعض روایات کے مطابق خدا نے اسی جگہ بنی اسرائیل کو
 شریعت عطا کی تھی، اس پہاڑی میں ہی سامری نے بچھڑا بنایا تھا۔
 اس پہاڑ میں پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آتی اور آگ
 کے ذریعہ زیتون کے درخت کے نیچے ان پر تجلی ہوئی، (خروج: ۱۶/۱۷)
 یہ پہاڑ لوگوں میں کوہ حوریب، جبل اللہ، اور جبل موسیٰ کے نام سے مشہور
 ہے، یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۲۲۸۵ میٹر بلند ہے اور العریش سے ۳۰ میل
 کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔
 "سینین" کا مطلب ہے سنہرا، بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی طور سینا ہے
 جو کہ سورہ مؤمنون میں آیا ہے۔

اور قسم ہے اس امن والے شہر کی (مکہ معظمہ)	وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿۳﴾
--	----------------------------------

"الْبَلَدِ الْأَمِينِ" سے یا شہر امین سے مراد: مکہ مکرمہ کے سرزمین ہے، ایسی
 سرزمین جو زمانہ جاہلیت میں بھی محفوظ علاقہ اور خدا کا حرم مانا جاتا تھا،
 اور وہاں پر کوئی کسی پر حملہ نہیں کرسکتا تھا، مکہ مکرمہ میں نہ صرف
 انسانوں کے لیے بلکہ جانوروں، درختوں، پودوں اور پرندوں کے لیے بھی
 شہر "امین" کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں کسی جانور کو ہلاک نہیں کیا جاتا
 اور نہ ہی کوئی پودا کاٹا جاتا ہے، سوائے اس قسم کے پودوں کے جن کی
 لوگوں کو ضرورت ہے (مزید تفصیل جزء عمّ شیخ محمد عبدہ میں مطالعہ
 کرسکتے ہیں)۔

"الْأَمِينِ" ایسی سرزمین جس میں امن و امان ہو (رجوع کریں سورہ بقرہ: 126،
 آل عمران: 97، قصص: 57)۔

ان آیات میں "طُورِ سَيْنِينَ" اور "الْبَلَدِ الْأَمِينِ" کے مفہوم واضح ہیں کسی بھی قسم
 کے اختلاف کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ: ایک
 حضرت موسیٰ کا اور دوسرا حضرت اسماعیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کا مبعث ہے۔

اگر ہم قرآن کی دیگر آیات کی روشنی میں غور کریں تو بات واضح ہو جائے
 گی کہ ان دونوں علاقوں میں ایک خاص مماثلت ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ
 دونوں انبیاء اور دوجلیل القدر نبیوں کی طرف منسوب ہیں، طور سینا میں
 حضرت موسیٰ علیہ السلام اور "بلد الامین" میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم مبعوث ہوئے، دونوں مبعث انبیاء اور نزول وحی کی جگہیں ہیں۔

قسم کا ربط "طورسینین اور بلدالامین" کا جواب قسم کے ساتھ ربط بالکل واضح اور ظاہر ہے، کیونکہ یہ دونوں مقام وحی کا سرچشمہ ہیں، اور ان میں عظیم ترین تاریخی شخصیتوں کا ظہور ہوا، وہ اچھی طرح گواہی دیتے ہیں کہ انسان میں عظیم صلاحیتیں ڈالی گئی ہیں، اور وہ بہترین ساخت میں پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ وہ جلیل القدر انبیاء کہ جو اس بلند و بالا مقام پر پہنچے، ان میں سے ہر ایک نے ایک عظیم اور ہمہ گیر انقلاب برپا کیا، اور اندھیری رات میں مشعل فروزاں کی طرح چمکے، انہوں نے جاہل اور ستم زدہ معاشرے کے اندھیروں کو علم اور دین کی روشنی سے روشن کیا۔

ان چار پُر معنی قسموں کو ذکر کرنے کے بعد جن کی طرف ہم نے مختصراً اشارہ کیا، درج ذیل آیت میں قسم کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٣١﴾	یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے
---	--

ہم نے انسان کو جسم اور روح دونوں کے لحاظ سے بہترین اور خوبصورت کل میں پیدا کیا ہے، مجاہد نے کہا: "أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" یعنی: ہم نے اسے سب سے خوبصورت اور بہترین شکل میں پیدا کیا ہے (طبری: 156/30)۔

"لَقَدْ خَلَقْنَا... " چاروں قسموں کا جواب ہے، "احسن" سب سے خوبصورت، بہترین، "تقویم" کا مطلب ہے کسی چیز کو صحیح طریقے سے، ایک معتدل نظام اور ایک قابل قدر معیار پر لانا، اور اس کا وسیع معنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر لحاظ سے متوازن اور قابل بنایا ہے، جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر، کیونکہ اس نے اسے ہر قسم کا ہنر دیا ہے، اور اسے بہت بڑے مقاصد کے حصول کے لیے تیار کیا ہے، اور انسان (جرم صغیر) چھوٹا جسم ہونے کے باوجود اس میں عظیم دنیا (عالم کبیر) رکھ دی اور اتنی خوبیاں عطا کیں کہ اس خلقت کی لائق بنا: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (ہم نے اولاد آدم کو عزت و عظمت دی) (سورہ اسراء: 70)۔

وہی انسان جس کی تخلیق اور تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ ہے: "فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" ﴿٣١﴾ عظیم اور بابرکت ہے وہ خدا جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے، لیکن یہی انسان ان تمام مراعات کے باوجود، اگر راہ راست سے ہٹ جاتا ہے، تو ایسے گرے گا کہ "أَسْفَلَ سَفِيلِينَ" کی طرف چلایا جائے گا۔

چنانچہ اگلی آیت میں فرماتے ہیں: پھر ہم نے اسے پست ترین منزلوں تک

پہنچادیا، یعنی "أَسْفَلَ سَفِيلِينَ" سب سے نیچے تک پہنچادیا۔

کہتے ہیں کہ: اونچے پہاڑوں کے پہلو میں ہمیشہ گہری کھائیاں بھی ہوتی ہیں، اور انسانی ترقی کے اس چڑھتے ہوئے عروج کے مقابل ایک خوفناک منزل بھی نظر آتا ہے، کیوں ایسا نہ ہو کہ، جب انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے کہ اگر وہ اسے اچھے طریقے سے استعمال کرے تو عزت کی بلند ترین چوٹی پر فائز ہو جائے، اور اگر وہ اس تمام ذہانت اور ہنر کو غلط طریقے سے استعمال کرے تو سب سے بڑی بد دیانتی کرے گا، اور یہ فطری ہے کہ اسے نچلی سطح پر گھسیٹا جائے گا۔

آیت مبارکہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" ○ "ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَفِيلِينَ" کے مفہوم سے پوری وضاحت سے ہمیں معلوم ہوا کہ : انسان اصل میں پست پیدا نہیں ہوا، اس کا زوال زندگی کے مراحل طے کرنے سے ہوتا ہے، درحقیقت انسان جو مخلوقات میں سب سے اعلیٰ اور عظیم ہے، اس کا زوال بھی تمام مخلوقات میں سب سے پست ہے، "أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ..... أَسْفَلَ سَفِيلِينَ" .

جیسا کہ سورہ اعراف آیت "179" میں ہے "أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" ○ "أُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ" ○۱۷۹ (وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گمراہ ہیں) انسانی زوال کا سبب بننے والے بنیادی عوامل میں سے ایمان اور نیک عمل سے دوری ہے۔

واضح رہے کہ : ایمان ہر قسم کی پستی اور نزول سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے نیچا کر دیا	ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَفِيلِينَ ○
--	---

پھر ہم نے اسے پستوں میں سے پست ترین بنادیا (اور اسے بدترین لوگوں کے گروہ میں شامل کیا) "رَدَدْنَاهُ" ہم اسے لوٹائیں گے، اسے جگہ دیں گے، لفظ "رَدَّ" کا اصل معنی واپس کرنا، اور ضمنی معنی جعل، یعنی : رکھنا اور بنانا (روح المعانی)۔

"أَسْفَلَ" مفعول بہ یا منصوب بہ نزع خافض ہے، "سَفِيلِينَ" سب سے نچلے والے، پست لوگ، جمع مذکر سالم ہے، اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی انسانیت کو نظر انداز کرتے ہیں، ایمان اور دینداری کی اونچائی پر چلنے کے بجائے کفر اور بد دیانتی کی کھائی کی طرف چلتے ہیں۔

عالم اسلام کے مشہور مفسرین میں سے مجاہد اور حسن نے کہا ہے کہ: "أَسْفَلَ سَفِيلِينَ" سے مراد آگ اور جہنم کے سب سے نچلے درجے ہیں، ضحاک

نے کہا ہے کہ : یعنی ہم اسے سب سے پست عمر کی طرف لوٹائیں گے جو کہ بڑھا پا ہے (تفسیر قرطبی: 115/19)۔

مفسر آلوسی فرماتے ہیں : لفظ کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت کے دن کافر انسان کی حالت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے خوبصورت اور اصلی شکل میں پیدا کرنے کے بعد وہ انتہائی بدصورت اور مکروہ بن جاتا ہے (آلوسی : 176/30)۔

"رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" آیت مبارکہ کا یہ پیراگراف اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو لوگ کفر، شرک ظلم، جبر اور دیگر لغزشوں کا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ انسانیت کے مقام سے گرجاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نظروں میں نیچوں سے نیچے سمجھے جاتے ہیں، دنیا میں ناپاکوں اور آخرت میں دوزخیوں کی جماعت میں شامل ہوں گے، (اس کی تفصیل سورہ نساء : 145 ، صافات: 98 ، فصلت: 29 ، بینة: 6 میں مطالعہ فرمائیں۔

یہی انسان ان تمام صلاحیتوں اور سہولتوں کے ساتھ جو اسے دی گئی ہیں، اگر وہ راہِ راست سے ہٹ جائے، تو پھر وہ اتنا گرے گا کہ اسے گھسیٹ کر "أَسْفَلَ سَافِلِينَ" تک لے جایا جائے گا، بعد کی آیت میں مزید فرمایا : سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے ہیں ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہیں ہو گا: "إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ"۔

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝
--	---

"غَيْرُ مَمْنُونٍ" نہ ٹوٹنے والا ، نہ رکنے والا، بغیر احسان جتائے (رجوع فرمائیں سورہ فصلت : 8 ، قلم: 3 ، انشاق: 25)

"مَمْنُونٍ" یہاں "من" کے مادہ سے ہے بہ معنی : رکاوٹ یا نقصان کے ؛ لہذا "غَيْرُ مَمْنُونٍ" سے مراد ہمیشہ کا انعام جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہوتا ہے، اور بعض نے کہا اس کا معنی منت احسان جتلانے سے پاک ہونا ہے، لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ : نجات کے لیے صرف ایمان کافی نہیں ہے، ایمان اور عمل صالح قرب الہی کے بنیادی عناصر ہیں، ایمان اور عمل صالح سب سے اہم ، بلکہ سب سے واضح اور اہم عوامل ہیں

جو انسان کو جنت میں داخل کرنے کا سبب بنتے ہیں وہ ایمان اور نیک عمل ہے۔

یاد رکھیں کہ عمل کے بغیر ایمان کا کوئی اثر نہیں، ایمان کے بغیر عمل بھی فائدہ مند اور مفید نہیں، قرآن کی آیات پر مختصر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور معاشرے کی فلاح و بہبود کا انحصار دو چیزوں پر ہے: ایمان اور عمل صالح، ایمان والی زندگی اور اچھا عمل۔

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (سورہ نحل، آیہ 97-134)۔
— سورہ بقرہ، آیہ (82)۔

ترجمہ: "جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بخشیں گے، اور یقیناً ہم سے اس کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔"

اور دوسری آیت: "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" (سورہ بقرہ، آیہ 82) **ترجمہ:** "اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

"ایمان" اور "عمل صالح" ان چیزوں میں سے ہیں جن کا خدا تعالیٰ نے ہم سے مطالبہ کیا ہے، اور اسے بنی نوع انسان کے کمال اور سعادت تک پہنچنے کے لیے شرط قرار دیا ہے، یہ دونوں تصورات قرآن مجید میں بہت سے مواقع میں ایک ساتھ مذکور ہیں، اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پر زور دیا گیا ہے، ان آیات کا ایک جائزہ لیتے ہیں: "وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" (سورہ بقرہ آیہ 25) **ترجمہ:** اور ان لوگوں کو خوش خبری دے دیں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے کہ بیشک ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

"الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ" (سورہ رعد آیہ 29) **ترجمہ:** جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

"فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ" (سورہ انبیاء آیہ 94) **ترجمہ:** پس جو شخص کوئی نیک اعمال کرے اور وہ مؤمن ہو تو اس کی کوشش کی کوئی ناقدری نہیں ہوگی، ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارا فریضہ خدا تعالیٰ کے نزدیک "ایمان" اور عمل صالح ہے۔

علماء کرام "ایمان" اور "عمل صالح" کے درمیان ربط کو "درخت" اور "پھل" کے درمیان جیسا تعلق سمجھتے ہیں، جس طرح پھل دار درختوں میں سے صحت مند درخت پھلوں سے خالی نہیں ہوگا، اسی طرح ایمان عمل صالح سے الگ نہیں ہوگا، سوائے کمزور، اور کم نور ایمان کے جو ہوس اور خواہشات کے سامنے بے اثر ہو جاتا ہے، اور واضح تعبیر یہ ہے کہ اعمال صالحہ دل کے ایمان کی علامت ہیں۔

البتہ اس کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ معصیت یا گناہ کبیرہ کے مرتکب کافر ہیں، جیسا کہ خوارج کا خیال تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مضبوط ایمان یقیناً اعمال صالحہ پر سبقت رکھتا ہے، حالانکہ ایسا لگتا ہے کہ فرائض کا بجالانا اور ممنوعات کو چھوڑنا ایمان سے زیادہ مشکل ہے، اصولاً اسے مقدم ہونا چاہیے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اعمال صالحہ کے سلسلے میں ایمان کی جڑ اور بنیاد کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے، ایمان اور عمل صالح کی تفسیر اتنی وسیع ہے کہ اس میں ایک طرف خدا پر ایمان کے تمام مراحل اور دیگر تمام اعتقادی بنیادیں، اور دوسری طرف قابل قدر ذاتی، معاشرتی، سیاسی اور عبادات کام کی انجام دہی بھی شامل ہے۔

" وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالْحَقِّ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ " (عصر/3-1) سورہ عصر میں زمانے کی قسم کھا کر کہتا ہے: " زمانے کی قسم! کہ بیشک ہر انسان نقصان میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور آپس میں حق بات کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

اکیلے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں، ایمان اور عمل ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

ایمان اور علم صالح کا تعلق

ایمان اور عمل صالح کا گہرا تعلق ہے، قرآن پاک کی متعدد آیات میں ایمان کے بعد اکثر عمل صالح کا بھی ذکر ہے، درحقیقت یہ دونوں ترازو کے دوپلڑوں کی مانند ہیں، کہ ان میں سے ایک کے بغیر نہیں تولا جاسکتا ہے، عمل صالح کے بغیر ایمان کام نہیں آئے گا، اگر کوئی اسلام کے احکامات پر عمل کے بغیر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا ایمان دعویٰ سے زیادہ کچھ نہیں یہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

قرآن کریم اس بارے میں کہتا ہے: " يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ

تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انتظروا إِنَّا مُنتظرون " (انعام، 158)۔

ترجمہ: (مگر) جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے

گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہونگے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا اے پیغمبر ان سے) کھدو تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح کو جوڑنے کے اثرات اور فوائد

قرآن کریم میں ایمان اور عمل صالح کے امتزاج سے حاصل ہونے والے فوائد اور ثمرات بتائے گئے ہیں کہ ان دونوں کا باہمی ایک قریبی اور براہ راست تعلق ہے، اگر ایمان روح کی گھرائیوں میں داخل ہو جائے تو اس کی شعاعیں انسان کے اعمال میں چمکتے ہے، اور اس کے اعمال کو صالح بنادیتی ہیں، کیونکہ عمل صالح ایمان کے درخت کا پھل ہے، اور ایمان جڑ کی مانند ہے، اور میٹھے پھل کا ہونا جڑ کی صحت کی دلیل ہے، جبکہ عمل صالح کے بغیر ایمان بے ثمر درخت ہے۔

گناہوں کو مٹانا اور دور کرنا

نیک اعمال انسان کے پچھلے گناہوں کو مٹادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يُكَفِّرْ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ" يقينا نيكياں برائيوں کو مٹادیتی ہے۔

سعادت اور نجات کا ذریعہ

انسان کی خوش بختی کا پیمانہ عمل صالح ہے، سعادت کے مختلف درجات اور مرتبے ہوتے ہیں، عمل صالح انسانی کمال کا پہلا مرحلہ ہے، جو کہ احساسات اور قلب و ذہن میں پاکیزگی کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةًۦ ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس حال میں کہ وہ مؤمن ہو، ہم اسے پاکیزہ زندگی اور اجر دیں گے)، (سورہ نحل: 97)۔

نیک عمل انسان کی دنیا اور آخرت بدل دیتا ہے، اور مؤمنوں کو دنیا اور آخرت میں اچھی زندگی عطا کرتا ہے، ایمان کے ساتھ نیک اعمال سب سے بڑی قیمت رکھتے ہیں جو اپنے کرنے والوں کے لیے خوشحالی اور نجات لاتے ہیں۔

قرآن کے نقطہ نظر اور فہم سے واضح ہوتا ہے کہ نجات عمل صالح اور ایمان کا ہی نتیجہ اور اس کا ثمر ہے، اس لیے خوشی کا معیار ایمان اور عمل صالح کی حقیقت ہے نہ کہ صرف زبانی اور لسانی دعوے، سعادت کا آخری درجہ رب سے ملنا ہے، جو کہ عمل صالح سے ہی ممکن ہے، "مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا" جس کو رب سے ملاقات کی امید ہے پس اسے چاہیے کہ وہ

عمل صالح کرے، سورہ عصر میں زمانے کی قسم کھا کر فرماتا ہے: " زمانے کی قسم ! کہ بیشک ہر انسان نقصان میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں "وَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ" اور نیک اعمال کرتے ہیں، اس سورت میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اکیلے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں، ایمان اور علم صالح ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

محبت اور دوستی پیدا کرنا

ایمان اور عمل صالح کے ثمرات میں سے ایک لوگوں سے دوستی اور محبت بڑھانا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا" (جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ تعالیٰ ان کی دوستی اور محبت کو لوگوں کے دلوں میں جگہ دے گا)۔

پس دوستی کرنا ایمان اور عمل صالح میں سے ایک ہے، اور ان دونوں کے دیگر فائدے بھی مراد ہیں مثلاً: اجر اور اچھا بدلہ دینا، اجر کا ضائع نہ ہونا، خوف اور امید رکھنا، مغفرت پانا، خوش نصیبی، کشادہ رزق، خدا کی رحمت اور فضل سے فائدہ اٹھانا، تاریکی سے روشنی کی طرف رہنمائی، نقصان دہ نہ ہونا، بڑی فتح اور کامیابی، جنت اور اس کی ابدیت کا وعدہ وغیرہ۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا ثمرات اور فوائد اس شرط پر حاصل ہوتے ہیں کہ ایمان اور عمل صالح کو یکجا کیا جائے، یعنی دونوں موجود ہوں، ان کا حصول عمل صالح کے ساتھ ایمان کی موجودگی پر منحصر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کو انسان کی استطاعت اور طاقت کے مطابق مقرر کیا ہے، تاکہ مؤمنین ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی انجام دے سکیں، آیات کے علاوہ بہت سی احادیث میں ایمان اور عمل صالح کے باہمی تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام

تمام آیات و روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان اور عمل دوپروں کے مانند ہیں: کہ ایک پرسے اڑنا ممکن نہیں اور یہ دونوں لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں، اور آیات و سنت میں ایمان اور عمل صالح کا موازنہ کیا گیا ہے، اس تناظر میں روایات میں تضاد کا نہ ہونا دونوں کے درمیان براہ راست تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

پس (اے انسان!) اس کے بعد کونسی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟	فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ الدِّينِ؟
---	------------------------------------

یعنی: اے منکر انسان! اب جب کہ تم جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے اور وہی تمہیں تنزل کی طرف لوٹائے گا، تو پھر کیا چیز ہے جو تمہیں قیامت اور عذاب کو جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ ایک قول یہ بھی ہے کہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے "یعنی اے محمد! ان واضح اور یقینی دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد پھر کون ہے جو آپ کا انکار کرے گا؟"

کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے	أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝۸
---	--

اپنے فیصلے اور انصاف میں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہے، چونکہ اس نے انسان کو حسن و جمال اور بہترین ساخت کے ساتھ پیدا کیا ہے، پھر اس نے اپنے منکروں اور کافروں کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا، اور اہل ایمان کو اعلیٰ درجات سے نوازا، پس اس کے انصاف کا تقاضا ہے کہ قیامت قائم کرے، تاکہ مظلوموں کو ظالموں سے ان کا اجر اور بدلہ ملے۔

تفسیر المیزان میں اس مبارک آیت کے ضمن میں لکھا ہے: ایک سرزنش والے سوال کے ساتھ نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے، تمہیں قیامت کے عذاب سے انکار کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا؟ اگرچہ ہم نے نسل انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، ایک وہ جن کو انعام دیا گیا ہے، اور دوسرا وہ جو اسفل السافلین کی طرف لوٹایا جائے گا، تو کیا خدا کے احکم الحاکمین ہونے کے علاوہ کو اور رائے ہو سکتی ہے، اور اس کا حکم کسی بھی حکمران کے حکم سے برتر ہے، کیونکہ اس کا حکم استحکام اور نافذ ہونے میں کسی دوسرے حکمران کے حکم سے افضل ہے، اور یہ واضح اور حکیمانہ فیصلہ ہے کہ ان دونوں گروہوں کے لیے مختلف سزائیں ہوں، اس لیے سزا کا ایک دن ہونا چاہیے، تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق سزا ملے، انسانی عقل اور فطرت بھی یہ تجویز نہیں کرتی کہ دونوں گروہوں کے درمیان ثواب عذاب کا دن نہ دیا جائے۔

محترم قارئین:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے: "فَإِذَا قَرَأَ أَحَدُكُمْ: "وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ... فَأَتَىٰ آخِرَهَا: أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ؟... فَلْيُقَلِّبْ: بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ." جب بھی تم میں سے کوئی: "وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ... پڑھے، اور اس کے آخر میں "أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ" تک پہنچے، تو اس کے بعد کہے، ہاں! (اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے) اور میں تصدیق کرنے والوں میں سے ہوں۔

سورہ التین کا پیغام

- 1 - دنیاوی نعمتیں حتی کہ کھانے پینے کی اشیاء قابل احترام ہیں اور خدائی قسم کی مستحق ٹھہری ہیں، " وَالتَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ "۔
- 2 - خوراک اور تحفظ کے ذریعہ حاصل ہونے والی صحت اور تندرستی انسانوں کی سب سے اہم مادی ضروریات ہیں " وَالتَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ ۱ " وَطُورِ سَيْنِينَ ۲ " وَبَدَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۳ "۔
- 3 - وحی کا احترام حرمت زمینوں میں پھیل جاتا ہے " طُورِ سَيْنِينَ "۔
- 4 - مکہ مکرمہ شہر کا امن و امان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، جنہوں نے کہا تھا: " رَبِّ اجْعَلْ بَدَا الْبَلَدِ آمِنًا " اور یہ دعا قبول ہوئی: " وَبَدَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ "۔
- 5 - انسان تخلیق میں تمام دیگر مخلوقات سے افضل ہے: " لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ "۔
- 6 - اللہ تعالیٰ انسان کی ابتدا اور انتہا پر قادر ہے: " خَلَقْنَا رَدَدْنَاهُ "۔
- 7 - انسان کی اصل تخلیق میں پستی نہیں ہے، اس کا زوال زندگی کے مراحل غلط طریقے سے طے کرنے سے ہوتا ہے، " لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۴ " ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۵ "۔
- 8 - انسان مخلوقات میں سب سے برتر ہے، مگر اس کا گرنابھی تمام موجودات سے پست تر ہوتا ہے: أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ أَسْفَلَ سَافِلِينَ " (جیسا کہ دوسری آیات میں فرماتے ہیں: " أَوَّلُ بَيْتِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۶ "۔
- 9 - ایمان اور عمل سے دوری پستی میں گرنے کا سبب ہے، اور ایمان ہر قسم کی پستی اور نزول سے دوری کا ذریعہ ہے: " رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ "۔
- 10 - گوکہ خدا انسان کا خالق ہے اور وہ اپنی مخلوق کے ساتھ جس طرح چاہے معاملہ کرنے کا حق رکھتا ہے، لیکن وہ انصاف پر مبنی حکم کرتا ہے، اور بہترین فیصلہ کرنے والا ہے " أَحْكُمُ الْحَكِيمِينَ "۔

پھل اور میوہ جات کا ذکر قرآن کریم میں

زمین سے اُگنے والے تمام پودے ہر لحاظ سے اہم ہیں، اور خدا کی عظمت کی واضح نشانیاں ہیں۔

قرآن کریم میں پودوں کو "نبات" کے نام سے "20" سے زیادہ مرتبہ، درختوں کو "شجر" کے نام سے "20" گنا زیادہ، پھلوں کو "فاکہة اور ثمرة" کے عنوان سے "30" سے زیادہ مرتبہ، اور اناج کو "حب" کے نام سے "9" اور نباتات کو "قضب اور بقل" کے نام سے دوبار ذکر کیا گیا ہے۔

انار "رُمان" کا لفظ تین مرتبہ قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے، (سورہ انعام آیت : 99، اور 141، سورہ رحمن : 68)۔

انجیر "تین" کا نام ایک ہی مرتبہ قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے، وہ سورہ "تین" آیت "1" میں، انجیر مضبوط ترین پھلوں میں سے ایک ہے، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ انجیر ایک بہترین غذا ہے، جسے انسان کسی بھی عمر میں استعمال کر سکتا ہے، انجیر بچوں، کھلاڑیوں اور کمزور یا بوڑھے افراد کے لیے قدرتی میٹھے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، وہ اپنی غذائیت کے لیے انجیر کا استعمال کر سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ: "افلاطون" انجیر کو اس قدر پسند کرتا تھا کہ بعض لوگ اسے یعنی انجیر کو فلاسفروں کا دوست کہتے تھے۔

سقراط انجیر کو فائدہ مند مادوں کو جذب کرنے اور جسم سے نقصان دہ جراثیم اور بیکٹیریا کو دور کرنے والا سمجھتا ہے۔

"جالینوس" نے پھلوانوں کے لیے انجیر کی ایک خاص خوراک رکھی تھی، رومی اور یونانی پھلوانوں کو بھی انجیر دیا جاتا تھا۔

علماء کا کہنا ہے کہ انجیر مختلف وٹامنز سے بھر پور ہوتی ہے، اور بہت سی بیماریوں کے لیے اسے دوا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر جب انجیر اور شہد کو برابر ملا کر پی لیا جائے تو یہ معدے کے السر کے لیے بہت مفید ہے۔

خشک انجیر کھانے سے یادداشت مضبوط ہوتی ہے، اور انجیر میں جو معدنی عناصر ہیں وہ جسم اور خون کو متوازن رکھتے ہیں، انجیر کسی بھی عمر کے افراد کے لیے غذا ہے، اور کسی بھی موسم، اور ماحولیاتی حالات کے لیے غذا ہے۔

"عنب" انگور کا پھل، واحد اور جمع کی صورت میں "عنب اور اعناب" قرآن پاک میں انگور کا ذکر دس مرتبہ آیا ہے، (سورہ رعد آیت : 4، سورہ نحل آیت : 11، اور سورہ یس : 34، سورہ نحل آیت : 67، سورہ اسراء آیت 32، کھف : 42)۔

کھجور "رطب" کھجور کا درخت، (نخل، نخیل، نخلۃ) نخل اور نخیل کا لفظ قرآن عظیم الشان میں "20" مرتبہ آیا ہے، (سورہ رعد : 4، سورہ انعام : 99، سورہ ق : 10، سورہ انعام آیت : 141، سورہ یس آیت : 34)۔

قتاء کھیرا بنی اسرائیل کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ایک کھانے سے سیر نہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے دیگر سبزیوں کے ساتھ کھیرا بھی مانگا (سورہ بقر آیت : 61)۔

"زیتون" کا نام قرآن پاک میں "6" مرتبہ آیا ہے، ایک اس کا ذکر براہ راست اس درخت کی طرف اشارہ ہوا جو کوہ سینا پر اگتا ہے، اور اس سے تیل پیدا ہوتا ہے، (اس کا ذکر سورہ مؤمنون آیت : 20 میں) اس طرح زیتون کے درخت کا نام دوبار اکیلے اور پانچ بار دوسرے پہلوں جیسے : کھجور، انار، انگور اور انجیر کے ساتھ استعمال ہوا ہے، قرآن عظیم میں زیتون کے درخت کو خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتایا گیا ہے جو سورہ نحل کی آیت "11" میں بیان ہوئی ہے، اور زیتون کے درخت کا برکت والے پہلوں میں ذکر ہوا ہے (سورہ نور آیت : 35)۔

اسی طرح اللہ نے تعالیٰ زیتون کے درخت کی قسم کھائی ہے (سورہ نور آیت : 35)۔

طَلْح "کیلا"، کیلے کا ذکر قرآن پاک میں ایک بار آیا ہے کہ جنتی اس کیلے کے درخت سے کھائیں گے، جس کا پہل ایک دوسرے کی اوپر ڈھیر ہوگا، (سورہ واقعہ آیت : 29)۔

البتہ قرآن کریم کے اکثر مفسرین "طلح" کو کیلے کا درخت سمجھتے ہیں، لیکن فاروقی اسے (عصارہ) کہتے ہیں۔

پیاز "بصل" بنی اسرائیل کے قصے میں پیاز کا ذکر ہے کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے تھے، وہ مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پیاز مانگی (سورہ بقرہ آیت : 61)۔

"قوم" لہسن قرآن کریم اور بنی اسرائیل کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کے مطالبات میں لہسن بھی شامل تھا، (سورہ بقرہ آیت : 61)۔

"مَنْ" ترنجبین قرآن کریم میں تین مرتبہ "مَنْ" کا ذکر ہوا ہے، بنی اسرائیل کو عطا کی گئی نعمت کے طور پر (سورہ بقرہ آیت : 57، سورہ اعراف آیت : 16، سورہ طہ : 80)۔

"کافور" کا لفظ قرآن کریم میں تین بار وہ بھی سورہ "الدھر آیت : 5" میں استعمال ہوا ہے (سورہ انسان : 5)۔

"زنجبیل" ادرك، ایک بار قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے، اور اسے جنتیوں کا مخلوط مشروب کھا ہے (سورہ انسان : 17)۔

"عدس" دال، قرآن کریم اور بنی اسرائیل کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان مطالبات میں شامل تھی (سورہ بقرہ آیت : 61)۔

"یقطين" کدو کا ذکر قرآن پاک میں ایک بار سورہ "صافات" میں آیا ہے، اور اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کو مچھلی کے

پیٹ سے بچا کر ان کے سرہانے پر دریا کے کنارے کدو کی بیل اگائی تا کہ وہ سورج کی تیز شعاعوں سے محفوظ رہیں۔

جنت کے پھل اور باغات

ان آیات و احادیث میں اس بارے میں کوئی واضح اشارہ نہیں ہے کہ جنت میں کس قسم کے پھل دار درخت ہیں، یہ علم غیب کا حصہ ہے، ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ کتاب و سنت کے بعض شرعی نصوص کے مطابق جنت کے بعض پھلوں اور درختوں کے نام بتائے گئے ہیں، جیسے: انار، کھجور، سیب وغیرہ یا بیری کے درخت۔

لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اہل جنت جو پھل چاہیں گے فراہم کیا جائے گا، کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾" (سورہ واقعہ)۔

یعنی: جس قسم کا پھل جسے وہ جنتی چاہیں، ان کے لیے بہترین اور خوبصورت شکل میں فراہم کیا جائے گا، اور انہیں ہر قسم کے پرندوں کا گوشت مہیا کیا جائے گا، جو وہ چاہیں، جس طرح چاہیں، کباب بنا کر یا پکا کر یا کسی اور طریقے سے، اور "يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾" (سورہ درخان: 55) یعنی جنت میں وہ جو پھل چاہیں گے، جس کا دنیا میں کوئی نام ہے یا جس کی دنیا میں کوئی پہچان نہیں ہے، جس کی مانند کوئی نہیں ہے وہ چاہیں گے بغیر کسی پریشانی اور مشقت کے ان کے لیے فوراً تیار ہو جائے گا۔

اور فرمایا: "وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾" (سورہ واقعہ: 32-33) یعنی وہ دنیا کی پھلوں کے مانند نہیں ہیں جو مخصوص اوقات میں نہیں مل سکتے اور مخصوص موسموں میں ہی ملتے ہیں، اور ان کا حاصل کرنا اور استعمال کرنا آسان ہے اور کوئی شخص کسی بھی حالت میں ان تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، اور فرمایا: "إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ﴿٣١﴾ وَفَوَاكِهٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٣٢﴾" یعنی: متقی لوگ مختلف سایہ دار، سرسبز اور گھنے درختوں کے درمیان اور بہتے چشموں کے پاس ہوں گے جو سلسبیل اور رحیق چشمے سے نکلتے ہیں، بہترین اور پاکیزہ پھل جو وہ چاہیں گے اور خواہش رکھیں گے ان کے لیے مہیا ہوگا۔

اور فرمایا: "وَبَشِيرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴿٥٠﴾ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا ﴿٥٠﴾ قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ﴿٥٠﴾ وَأَنُوبُ بِهِ مُتَشَابِهًا ﴿٥٠﴾ وَلَهُمْ فِيهَا

آرَوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۝ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۲۵ " (سورہ بقرہ : 25) ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنادو کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جب انہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہونگی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو پہل ان کے پاس لائے جائیں گے وہ سب اچھائی اور خوبصورتی کے لحاظ سے ایک جیسے ہوں گے، اور ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گے، اور ہمیشہ ہوں گے۔

تفسیر سعدی میں ہے کہ: جنت کے پہل خوبصورتی اور ذائقے میں یکساں ہیں، اور ان میں کوئی خاص پہل نہیں ہے، اور اہل جنت ہمیشہ عیش و عشرت میں رہیں گے، وہ ہمیشہ پہل کھا کر لطف اندوز ہوں گے "وَأَتُوبُهُمْ مَّتَشَابِهًا" بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنت کے پہل نام میں ایک جیسے ہوں گے، لیکن ذائقے میں مختلف ہوں گے، ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کا رنگ ایک جیسا ہوگا، لیکن نام میں فرق ہوگا، کچھ کا خیال ہے کہ وہ خوبصورتی اور لذت میں ایک جیسے ہیں، شاید یہ بہترین قول ہو۔

جب بھی ان پر کوئی نعمت پیش کی جائے گی، چونکہ پہل دیکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں، تو وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ پچھلے پہل جیسا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا، ذائقہ اور خوشبو میں منفرد خصوصیات ہوں گے، اور ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے، یہ آیات بتاتی ہیں کہ مطلوبہ پہلوں کی جنت میں کوئی حد نہیں ہے، اور یہاں تک کہ ایسے نئے پہل بھی ہوں گے جو دنیا میں موجود نہیں تھے۔

جنت کے درختوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے: "وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ مَا أَصْحَابُ

الْيَمِينِ ۝۲۴ ۝ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۝۲۵ " (سورہ واقعہ) یعنی: خوش نصیب لوگ، سعادت والے لوگوں کی حالت کیسی ہے: یعنی ان کی حالت بہت اچھی ہے، "فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ" وہ بیری کے درختوں کے درمیان ہیں جن کے کانٹے ہٹالیے گئے اور کاٹے گئے ہیں، اور ان کی تکلیف دہ شاخوں کی جگہ پہل لگادیا گیا ہے، بیری کے درخت میں بہت سے وسیع فوائد ہیں اور اس کے سایہ کی خصوصیات ہیں انسان اس کے سایہ میں سکون پاسکتا ہے۔

"وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ" طلح ایک درخت ہے جو صحرا میں اگتا ہے، اور اس کا پہل لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔

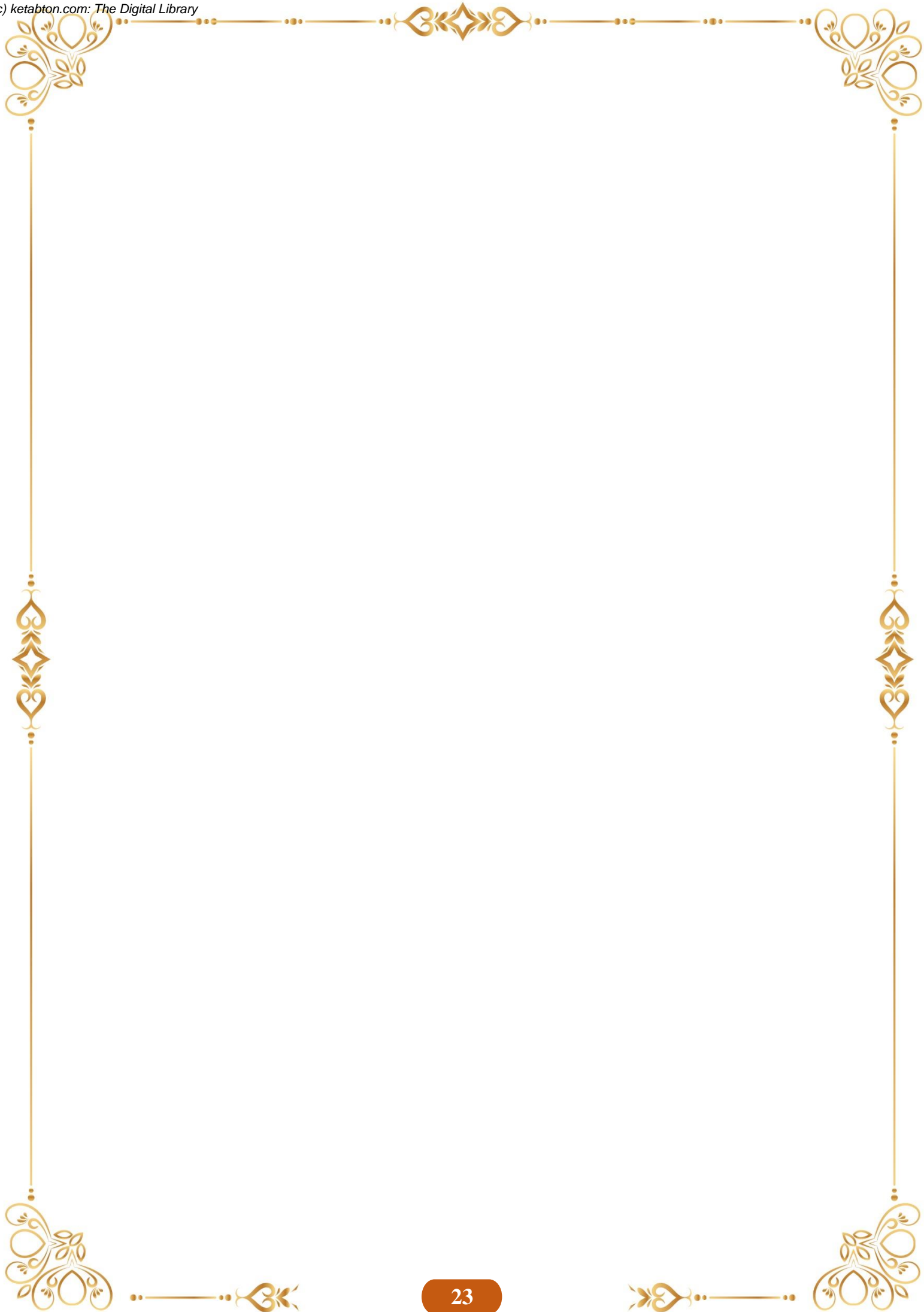
ابن ابی الدنیا سالم بن عار سے روایت کرتے ہیں کہ : انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہتے تھے کہ: اللہ کرے کوئی دیہاتی بندہ آئے تاکہ اس کے سوالات سے ہمیں فائدہ ہو، ایک دن ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک درخت کے بارے میں بتایا ہے حالانکہ وہ تو وہ تکلیف پہنچانے والا ہے، اور میں نے نہیں سوچا تھا کہ جنت میں کوئی پریشان کن درخت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کونسا درخت؟ کہا: بیری کا درخت، اس درخت کے کانٹے ہیں، اس کا کانٹا تو پریشان کن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر رب تعالیٰ نے فرمایا: "فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ" (سورہ واقعہ: 28) خدا نے اس کے کانٹے ہٹا کر ان کی جگہ پھل پیدا فرمایا ہے، ایسا پھل اس درخت سے نکلتا ہے کہ جو "72" رنگوں میں آتا ہے، اور اس کا کوئی رنگ دوسرے سے مشابہ نہیں ہے۔

اور فرمایا: "وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ" (سورہ انعام : 141) . ترجمہ: اور خدا ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے مچانوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو مچانوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے ذائقے ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض باتوں میں نہیں۔

مختصر یہ کہ جنت میں ہر قسم کے پھل ہیں، جیسے: سیب، کھجور، انگور، انار، زیتون وغیرہ، اور ہر قسم کے خوشبودار پھل اور پھول ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ، جنت میں ایسی چیزیں ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی ہیں، اور کسی کان نے نہیں سنی، اور ان میں سے کچھ بھی کسی کی سوچ میں کبھی نہیں آسکتی، خداتعالیٰ ہمیں وہ سب نصیب فرمائے۔

صدق اللہ العظیم وصدق رسوله النبی الکریم



**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**